۲۷

(فرمودہ یکم فروری ۱۹۳۹ء بمقام عیدگاہ۔ قادیان)

مسلمانوں میں دو عیدیں منائی جاتی ہیں۔ ایک عید، عید الفطر کہلاتی ہے جسے ہمارے ملک کے لوگ چھوٹی عید کہتے ہیں اور دوسری عید۔ عید الاضحیہ کہلاتی ہے جسے ہمارے ملک میں بڑی عید کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ جمعہ بھی مسلمانوں کے نزدیک عید ہے[1] اور چونکہ قرآن کریم میں جمعہ کی نماز کا خصوصیت کے ساتھ ذکر آتا ہے اس لئے بعض اولیاء نے جمعہ کی عید کو ان دونوں عیدوں سے بھی بڑا قرار دیا ہے[2] بہرحال اجتماع کے لحاظ سے یہ دونوں عیدیں اپنے اندر خصوصیت رکھتی ہیں اور چونکہ خوشی کا نظاہرہ لوگ جلد جلد نہیں کر سکتے۔ اس لئے بھی ان عیدوں کی لوگ زیادہ خوشی مناتے ہیں۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ مسلمانوں کے کھانے پینے کے دن ہیں[3]۔ گویا اس طرح ان عیدوں کی اجتماعی خوشی کے لحاظ سے آپؐ نے ایک جداگانہ حیثیت قرار دی ہے۔ پس ان عیدوں میں جو سبق ہے وہ جمعہ کی عید سے مختلف قسم کا ہے اور ہمیں اس سبق کے سمجھنے اور اسے یاد رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس سبق کے سمجھنے سے پہلے ہمیں انسانی فطرت کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ انسان کو جو خوشی پہنچتی ہے، وہ کتنی قسم کی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب ہم انسانی فطرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں انسانی خوشی دو قسموں میں منقسم معلوم ہوتی ہے۔ ایک خوشی تو وہ ہوتی ہے جس کا منبع انسان کا اپنا وجود ہوتا ہے اور دوسری خوشی وہ ہوتی ہے جو دوسروں سے اسے ورثہ میں ملتی ہے جسے متعدی خوشی کہنا چاہیئے۔ یعنی پہلے اس خوشی کو چند افراد حاصل کرتے ہیں اور پھر آگے اسے اپنی اولادوں اور اولادوں کی اولادوں کی طرف منتقل کر دیتے ہیں اس سے کوئی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ چیز انسانی فطرت میں داخل ہے کہ وہ اپنے آباء کی عزت اور خوشی میں اپنی خوشی اور عزت سمجھتا ہے۔ چنانچہ قومی فخر یا خاندانی فخر اسی کی مثال ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی جب پوچھا گیا کہ کونسا شخص زیادہ اشرف ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ یوسفؑ جو نبی کا بیٹا تھا اور پھر جو آگے ایک اور نبی کا بیٹا تھا[4]۔ گویا حضرت یوسفؑ کی عزت کی وجہ آپؐ نے یہ قرار دی کہ وہ ایک نبی کا بیٹا تھا اور اس کا باپ پھر ایک نبی کا بیٹا تھا۔ گویا متواتر اس کے آباء میں سے دو بابوں کو نبوت کا فخر حاصل ہونے کی وجہ سے حضرت یوسفؑ کی عزت بھی بڑھ گئی، اور اس لحاظ سے سمجھنا چاہیئے کہ اس کی خوشی بھی بڑھ گئی۔ اسی طرح جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! عربوں میں سے کونسے لوگ زیادہ معزز ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا عربوں سے جو خاندان جاہلیت میں زیادہ درجہ رکھتے تھے وہی اسلام میں بھی زیادہ درجہ رکھیں گے بشرطیکہ وہ خود بھی متقی ہوں۔ اس میں بھی آپؐ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ اپنے آباد کے کاموں پر فخر کرنا یا ان کی عزت میں اپنے آپ کو شریک سمجھنا ایک فطری تقاضا ہے جس سے اسلام روک نہیں سکتا وہ صرف اتنی پابندی لگاتا ہے کہ تم اپنے اندر ذاتی شرف بھی پیدا کرو تاکہ اپنے آباء کی عزت کی خوشی پر خوشی مناکر تم منافق مت بنو اور جس چیز کو ایک وقت میں عزت کا موجب قرار دو، دوسرے وقت میں اسے حقیر قرار دے کر اور متروک کرکے اس سے بیزاری کا اظہار نہ کرو۔ کیونکہ جب کوئی شخص ایک شرف کو حاصل کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ یا غفلت برتتا ہے تو وہ اپنے فعل سے ثابت کر دیتا ہے کہ وہ اسے شرف نہیں سمجھتا۔ پس کسی دیانتدار انسان کا حق نہیں کہ وہ بعض افعال کو تحقیر کے ساتھ ترک کر دے اور پھر انہی افعال کی وجہ سے اپنے باپ دادا کی عزت کا اعلان کرے۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں فلاں دادا کی اولاد ہوں جو بڑا بہادر تھا اور خود بزدلی دکھاتا ہے تو وہ درحقیقت دو اضداد کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ نقیضین کو ایک جگہ جمع کرتا ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ اس بات پر فخر کرتا ہے کہ میرا دادا بہادر آدمی تھا۔ اور دوسری طرف وہ قربانی سے گریز کرتا ہے اس کا یہ فعل بتاتا ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے یا تو وہ جب اپنے دادا کے افعال پر فخر کرتا ہے تو وہ دوسروں کو بیوقوف بناتا ہے۔ ورنہ اپنے دل میں اپنے دادا کو معزز نہیں سمجھتا بلکہ ایک بیوقوف انسان سمجھتا ہے جو اپنی جان کو خواہ مخواہ بلاضرورت اور بلاوجہ خطرات میں ڈال دیا کرتا تھا۔ اور یا پھر وہ اس کے افعال کو تو اچھا سمجھتا ہے لیکن اپنے آپ کو ایک پاجی اور ذلیل انسان سمجھتا ہے جو شرافت کے احساسات سے عاری ہے اور اتنے گندے وجود پر شرف کا جبّہ پہنانا بالکل احمقانہ بات ہے۔

غرض یہ دونوں باتیں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ اگر تو ایسے شخص کے آباء جو خود بزدل ہے بوجہ بہادری اور جرأت دکھانے کے مکرّم اور معزّز ہو گئے تھے تو اگر یہ قربانی کرنے کے لئے تیار نہیں تو ان کی عزت اور ان کا شرف اسے کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ اور اگر خطرہ سے جان بچانا ہی عزت ہے اور یہی عقل ہے اور یہی مناسب ہے تو پھر یہ کہنا کہ اس کے آباء مکرم اور معزز تھے یہ جھوٹ اور دھوکہ ہے کیونکہ اگر قربانی سے بچنا عقلمندی ہے تو پھر جن لوگوں نے قربانی کی وہ جاہل اور نادان تھے اور ہرگز کسی عزت کے مستحق نہ تھے۔ پس ایسے شخص کے لئے دو طریق میں سے ایک کو اختیار کرنا لازمی ہوگا۔ یا تو اسے یہ کہنا پڑے گا کہ میرے آباء [illegible] احمق تھے اور کسی شرف کے مستحق نہیں تھے۔ اور یا پھر اسے یہ کہنا پڑے گا کہ میں ایسا

گندہ اور ذلیل وجود ہوں کہ میرے آباء کا شرف اور ان کی عزت مجھے کوئی نفع نہیں دے سکتی۔ بلکہ ان کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا ان کی ہتک کرنا ہے اور اس نسبت سے مجھے کوئی عزت حاصل نہیں ہوتی بلکہ میری ذلت بڑھ جاتی ہے کہ عزت کا سامان موجود ہوتے ہوئے میں نے ذلت کو اپنے لئے قبول کر لیا۔ یہی مثال دوسرے اخلاق کی بھی ہے۔ خواہ وہ دین کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا سیاست کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں۔ یا اقتصادیات کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا صنعت و حرفت کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا تجارت کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں پس جیسا کہ میں نے بتایا ہے عزتیں دو قسم کی ہیں اور ان کے مقابلے میں خوشیاں بھی دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو ذاتی ہوتی ہیں اور ایک خوشی وہ جو ورثہ میں ملتی ہے۔ ذاتی خوشی تو ہر حال خوشی ہوتی ہے مگر جو خوشی ورثہ میں ملتی ہے وہ مقید ہوتی ہے۔ جب تک اس کے ساتھ ذاتی خوشی شامل نہ ہو۔ وہ کارآمد نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات ذلت اور رسوائی کا موجب ہو جاتی ہے انسانی فطرت کے اس مطالعہ کے بعد اب ہمیں اپنی دونوں عیدوں پر غور کرنا چاہئیے کہ وہ ہمیں کیا سبق دیتی ہیں کہ جب ہم ان دو عیدوں کو جن میں سے ایک ہمارے ملک میں چھوٹی عید کہلاتی ہے اور دوسری بڑی عید کہلاتی ہے۔ دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام جو اپنی تعلیمات میں تمام ضروری احکام پر مشتمل ہے اور تمام اچھے عناصر پر حاوی ہے۔ اس نے فطرت کے اس تقاضا کو بھی ان دونوں عیدوں کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے۔ مثلاً چھوٹی عید کو دیکھو۔ اس عید سے پہلے ہم روزے رکھتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے بعد ہم ایک دن عید مناتے ہیں۔ وہ عید کسی گذشتہ عزت کی یاد نہیں ہوتی۔ ہمارے باپ دادا کے کسی شرف کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ اس کا واحد مقصد یہی ہوتا ہے کہ ہم نے خود اپنی ذات میں قربانی اور ایثار کا ثبوت مہیا کیا ہوتا ہے اور اپنی قربانی کے ساتھ اپنے رب کو خوش کیا ہوتا ہے۔ پھر دوسری عید کو ہم لیتے ہیں جو بڑی عید کہلاتی ہے۔ اس عید کے دن یا اس سے پہلے ہم نے اپنی ذات میں کوئی کام نہیں کیا ہوتا۔ کوئی خاص عبادت ہم نے نہیں کی ہوتی۔ کوئی خاص تکلیف ہم نے نہیں اٹھائی ہوتی۔ عام دنوں کی طرح ایک دن ہوتا ہے اور ہم اس دن یکدم عید کا اعلان کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہزاروں سال پہلے اس دن ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک عظیم الشان کام صادر ہوا تھا اور اسے ایک خوشی پہنچی تھی اور چونکہ وہ ہمارا روحانی باپ تھا اور ہمارے روحانی باپ کا باپ تھا یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ ہم اس دن فوراً نئے کپڑے پہنکر یا دُھلے ہوئے صاف کپڑے پہن کر گروہ در گروہ اور جماعت در جماعت اکیلے اکیلے اور اکٹھے ہو کر میدان کی طرف جانا شروع کر دیتے ہیں اور ہم میں سے ہر ایک کا دل خوش ہوتا ہے۔ اس لئے

ہمارے دادا کو یہ عزت نصیب ہوئی تھی اور چونکہ وہ خوش ہوا تھا اس لئے ہم بھی خوشی مناتے ہیں یا ہم اس دن اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ ہمارے کچھ بھائی جو دُور دراز کا سفر کرکے خدا تعالےٰ کے گھر کے پاس اپنے ایمان اور اخلاص کا تحفہ پیش کرنے کے لئے گئے تھے وہ اس پیش کش میں کامیاب ہوگئے اور حج مبرور ادا کرکے انہوں نے خدا تعالےٰ کے گھر میں عزت حاصل کی۔ پس چونکہ ہمارے بھائیوں کو خوشی پہنچی اس لئے ہم بھی خوش ہیں۔ پس ہماری یہ خوشی ورثہ کی خوشی ہوتی ہے اور ان دونوں عیدوں میں یہی سبق دیا گیا ہے کہ کسی قوم کی مکمل خوشی اسی میں ہے کہ اسے دونوں خوشیاں پہنچیں۔ ایک خوشی تو یہ کہ اس کو ذاتی قربانی کرنے کی توفیق ملے اور دوسری خوشی یہ کہ اس کے آباء کو بھی خدا تعالےٰ کی راہ میں قربانی کرنے کی توفیق عطا ہو۔ جب کسی قوم کو یہ دونوں خوشیاں نصیب ہوجائیں تو اس کی خوشی مکمل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص یہ دیکھتا ہے کہ میرے ماں باپ تو معزز و مکرم تھے لیکن مَیں ذلیل ہوں تو اس کا دل رنج سے بھر جاتا ہے اور وہ خوش نہیں رہ سکتا۔ تاریخوں میں ایک واقعہ آیا ہے کہ ایک امیر شاعر ایک دن حمام میں نہانے کے لئے گیا۔ اور وہاں اس نے اپنا جسم ملوانے کے لئے ایک خادم کو بلوانے کا حکم دیا۔ حمام والے نے ایک مضبوط نوجوان اپنے نوکروں میں سے اس کا جسم ملنے کے لئے بھجوا دیا۔ جب اس نے تہہ بند وغیرہ باندھ لیا اور اپنے کپڑے اتار کر حمام میں بیٹھ گیا اور خوشبودار پانی اپنے جسم پر ڈالا اور خوشبودار مسالے خادم نے اس کے جسم پر ملنے شروع کئے تو اس وقت کی کیفیت اسے ایسی لطیف معلوم ہوئی کہ اس نے اپنے نفس میں موسیقی کی طرف رغبت محسوس کی اور کچھ گنگنا گنگنا کر شعر پڑھنے لگا۔ جب وہ شعر پڑھ رہا تھا تو اچانک اس ملازم کی حالت متغیر ہوگئی اور اس کی چیخ نکل گئی اور وہ بیہوش ہوکر زمین پر گر گیا۔ اس غسل کرنیوالے نے سمجھا کہ شاید اس کو مرگی کا دورہ ہوا ہے اور اس نے حمام کے افسر کو بلایا۔ اور اس کے پاس شکایت کی کہ تم نے میرے جسم کو ملنے کے لئے ایک مجنون اور بیمار کو بھیج دیا۔ اس نے معذرت کی اور کہا کہ آجتک اس نوجوان کی بیماری کا حال مجھے معلوم نہیں ہؤا، یہ تو بالکل تندرست تھا۔ بہرحال وہ اسے ہوش میں لائے اور اس سے پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے، آجتک تو تم پر کبھی ایسا دورہ نہیں ہؤا تھا۔ اس نوجوان نے نہایت گھبرائی ہوئی حالت میں اس شاعر سے دریافت کیا کہ آپ نے جو یہ شعر پڑھے تھے یہ آپ نے کس سے سُنے ہیں؟ اس نے کہا میرے اپنے ہیں اور مجھے نہایت ہی محبوب ہیں۔ کیونکہ مَیں نہایت غریب ہوتا تھا اور نانِ شبینہ تک کا بھی محتاج تھا۔ اتفاقاً مجھے معلوم ہؤا کہ فضل برمکی جو ہارون الرشید کے وزراء میں سے ایک وزیر تھا اور یحیٰی برمکی وزیراعظم کا بیٹا تھا اس کے ہاں بیٹا پیدا ہؤا ہے اور شاعروں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ شعر کہکر لائیں۔ پھر جو مقابلہ میں اوّل آئے گا اسے انعام دیا جائے گا

چنانچہ مَیں بھی قسمت آزمائی کے طور پر چند شعر کہکر اس مجلس میں حاضر ہُوا۔ اور جب میری باری آئی تو میں نے یہ شعر سُنائے۔ یفضل برمکی اور اس کے بھائیوں اور اس کے باپ کو یہ شعر ایسے پسند آئے کہ انہوں نے لاکھوں روپیہ مجھے انعام میں دیا۔ اور کئی خادم اور کئی گھوڑے اور کئی اونٹ اور چاندی اور سونے کے برتن اور غالیچے اور قالین اور عطریات کا اتنا بڑا خزانہ میرے حوالہ کیا کہ مَیں دیکھکر حیران رہ گیا۔ اور مَیں نے کہا حضور میرے گھر میں تو اس کے رکھنے کی بھی گنجائش نہیں۔ انہوں نے کہا۔ کوئی فکر مت کرو۔ فلاں محلہ میں فلاں بڑی عمارت کو ابھی ہمارے خادموں نے تمہارے لئے خرید لیا ہے۔ اور ہمارے خادم ہی یہ سب مال اسباب اس نئے محل میں ابھی ابھی پہنچا دیں گے۔ اس دن سے مَیں امراء میں شمار ہوتا ہوں۔ اور مجھے یہ شعر نہایت ہی پیارے ہیں کہ انہوں نے میری حالت کو بدل دیا اور تنگی سے نکال کر فراغت سے آشنا کیا۔ اس غلام نے کہا جانتے ہو کہ وہ شعر جن کی وجہ سے تم اس مرتبہ کو پہنچے جس بیٹے کے لئے کہے گئے تھے وہ مَیں ہی ہوں جب میں نے یہ شعر تمہاری زبان سے سُنے تو مجھے وہ واقعہ یاد آ گیا۔ جو مَیں نے اپنی دائیوں اور کھلائیوں سے سُنا ہُوا تھا کہ تیری پیدائش پر ایک شاعر کو اتنا انعام دیا گیا تھا اور مَیں نے کہا کہ وہ بچہ جس کی پیدائش پر یہ انعام دیا گیا تھا اور جن شعروں کی وجہ سے انعام دیا گیا تھا وہ شعر آج ایک اجنبی حمام میں اس راحت و آرام سے پڑھ رہا ہے اور وہ لڑکا جس کے لئے یہ شعر کہے گئے تھے، ایک خادم کی حیثیت سے اس کا جسم مل رہا ہے۔ اس شاعر پر اس کا اتنا اثر ہُوا کہ وہ اس کو چمٹ گیا اور رونے لگا اور اس نے کہا کہ میری ساری دولت تمہارے باپ دادا کی دی ہوئی ہے اور یہ تمہاری ہی دولت ہے۔ تم میرے گھر چلو، مَیں خادموں کی طرح تمہاری خدمت کروں گا اور تمھیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دُوں گا۔ اس لڑکے نے جواب دیا کہ جس ذلت کو ہم پہنچ چکے ہیں وہ پہلے ہی بہت زیادہ ہے۔ اب مَیں اس کے ساتھ یہ مزید ذلت نہیں خریدنا چاہتا کہ جو انعام میرے باپ نے دیا تھا وہ جا کر خود استعمال کرنا شروع کر دوں۔ مگر چونکہ میرا راز اب کُھل گیا ہے اس لئے مَیں اب اس جگہ بھی نہیں رہ سکتا۔ اب میں کسی اور علاقہ میں نکل جاؤنگا جہاں مجھے جاننے والا کوئی نہ ہو اور کوئی محرم راز میری شکل کو دیکھکر میرے آباء کی ذلت کو یاد نہ کرے یہ کہکر وہ اُٹھ کر وہاں سے چلا گیا اور نہ معلوم کہاں غائب ہو گیا۔ دیکھو یہ ایک مثال ہے کہ باپ دادا کی عزت جبکہ اولاد اس عزت میں شریک نہ رہی اولاد کو کوئی نفع نہ پہنچا سکی بلکہ شریف اولاد کے لئے زیادہ تکلیف کا موجب ہو گئی۔ بے شک کمینہ انسان اس رستہ کو چھوڑ کر جس پر چل کر اس کے آباء نے عزت حاصل کی تھی فخر کرتا ہے۔ مگر وہ اس سے صرف اپنی کمینگی کا اظہار کرتا ہے ورنہ شریف انسان تو اس واسطہ کو مٹا دیتا ہے۔ اسے چھپا دیتا ہے اور پوری کوشش کرتا ہے

کہ کوئی اس سے واقف نہ ہوتا کہ اس کی ذلت اس کے آباء کی عزت کو نہ مٹا دے اور وہ یہ کبھی نہیں کرتا کہ خود تو ان کے رستہ کو چھوڑ رہا ہو اور اس رستہ کی وجہ سے جو عزت ان کو ملی ہو اس میں اپنے آپ کو شریک کرنا چاہتا ہو۔ پس ورثہ کی عزت تبھی عزت کہلا سکتی ہے جبکہ ذاتی عزت انسان حاصل کر چکا ہو۔ قرآن کریم نے اسی نکتہ کو ایک اور رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ فرماتا ہے کہ مومنوں کی بیویاں اور بچے بھی جنت کے اس اعلیٰ مقام میں رکھے جائیں گے جہاں ان کے باپ دادا ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ خود بھی مومن ہوں[۸]۔ یعنی ذاتی عزت جن کو حاصل ہوگی وہی اس بات کے مستحق قرار دیئے جائیں گے کہ اگر ان کے آباء میں سے کسی نے کوئی بڑا رتبہ حاصل کیا ہو تو ان کو بھی اس بڑے رتبہ کے مطابق انعام دے دیا جائے۔ لیکن اگر ذاتی عزت حاصل نہ ہو۔ تو پھر یہ اس شرف کے مستحق نہیں ہوں گے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ ایک دوزخی کو وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے اس لئے کہ اس کے باپ دادا میں سے کوئی مومن تھا۔ ہاں یوں کہا جائیگا کہ اگر کوئی ادنیٰ درجہ کا مومن ہوگا۔ اور اپنے ذاتی شرف کی وجہ سے جنت میں داخل ہو چکا ہوگا تو اگر اس کے باپ دادا میں سے کوئی جنت کے اعلیٰ درجہ میں پہنچا ہوا ہوگا تو اس کو بھی اس مقامِ شرف پر رکھ دیا جائے گا کیونکہ اس نے ذاتی شرف حاصل کر کے ثابت کر دیا ہوگا کہ وہ اپنے آباء کے پسندیدہ رستہ کو خود بھی پسند کرتا تھا اور اسے حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا۔ پس ان دونوں عیدوں نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ ہمیشہ دونوں قسم کی خوشیوں کو یاد رکھنا چاہیئے اوّل وہ خوشی جو ذاتی کامیابی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور دوم وہ خوشی جو آباء کی کامیابی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اسلام کی پُر حکمت تعلیم کو دیکھو تو اس نے ان عیدوں کی ترتیب بھی عین فطرت کے مطابق رکھی ہے۔ یعنی جس طرح فطرتِ انسانی میں ذاتی خوشی پہلا زینہ ہے اور ورثہ کی خوشی دوسرا اور جب تک ذاتی خو[illegible]صل نہ ہو۔ انسان ورثہ کی خوشی کا مستحق نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے وہ عید پہلے رکھی ہے جو ذاتی خوشی کی عید ہے اور وہ عید بعد میں رکھی ہے جو ورثہ کی خوشی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اسلامی سال محرم سے شروع ہوتا ہے اور اس مہینہ سے اگر گنا جائے تو پہلے عید الفطر آتی ہے اور پھر عید الاضحیہ آتی ہے۔ اسی طرح ایک اور نکتہ ان عیدوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ یہ عیدیں سال کے آخر میں رکھی گئی ہیں۔ اور اس طرح بتایا گیا ہے کہ ایک لمبی جدوجہد کے بعد ہی انسان کو کامیابی اور کامیابی کے نتیجہ میں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جو لوگ خوشی پہلے منانا چاہتے ہیں اور جدوجہد پیچھے کرنا چاہتے ہیں۔ وہ احمق ہیں اور ان کے تقاضے غیر فطری ہیں اور جس طرح غیر فطری تقاضے پورے نہیں ہوا کرتے ان کا یہ تقاضا بھی کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔

میں نے دیکھا ہے کئی لوگ ادھر ہماری جماعت میں شامل ہوتے ہیں اور ادھر ان کو یہ حیرت ہونی شروع ہو جاتی ہے کہ ابھی تک الہام کا سلسلہ کیوں شروع نہیں ہوا اور مجھے حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو اوّل درجہ کے بے عمل ہوتے ہیں اوّل درجہ کے قربانی سے گریز کرنے والے ہوتے ہیں اور ایثار کے موقع پر سب سے پیچھے رہنے والے ہوتے ہیں۔ اور وہ سب سے زیادہ شور مچاتے ہیں کہ ابھی تک احمدیت کو وہ ترقی نصیب نہیں ہوئی جو پہلی جماعتوں کو حاصل ہوا کرتی تھی۔ میں ان لوگوں سے کہا کرتا ہوں کہ اے نادانو! تمہارے گدھے تمہارے اصطبل میں بندھے ہوئے ہیں۔ اور تمہارا یکّہ تمہارے دروازے کے آگے کھڑا ہے اور تم یہ رٹ لگا رہے ہو کہ ابھی منزلِ مقصود نہیں آئی۔ تمہارا گدھا تو اصطبل میں بندھا ہے اور تمہارا یکّہ اپنی بیکسی پر رو رہا ہے۔ تم منزلِ مقصود پر کس طرح پہنچ سکتے ہو۔ پہلے اچھی سواری لاؤ، اچھی گاڑی میں اس کو جوتو۔ پھر اس میں سوار ہو کر چلو۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کرو، تب منزلِ مقصود آئے گی۔ اس سے پہلے منزل کی طلب کرنا نہ جماعت پر اعتراض وارد کرتا ہے۔ اور نہ مخلص احمدیوں پر کوئی اعتراض ثابت کرتا ہے۔ یہ تو محض اس بات کی علامت ہے کہ تم ابھی قومی ترقی کے ابتدائی اصول سے بھی آگاہ نہیں۔ پہلے جدوجہد کرو، قربانیاں کرو اور وہ ایثار دکھلاؤ جو پہلی جماعتوں نے دکھایا تھا اور پھر اس بات کی امید رکھو کہ تم وہ نتائج دیکھو گے جو پہلوں نے دیکھے تھے۔

میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں یہ نقص اس قدر عام ہے کہ عمل کی کوئی قیمت ہی باقی نہیں رہی، صرف زبان کی قیمت سمجھی جاتی ہے۔ اور سب سے بڑا لیڈر وہی سمجھا جاتا ہے جو سٹیج پر کھڑے ہو کر سب سے بڑے مقاصد کو پیش کر دے یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ عملاً اس شخص نے کوئی قربانی بھی کی ہے یا نہیں۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ چھوٹی عمر میں میں ریل پر سفر کر رہا تھا کہ ایک بوڑھا آدمی ہمارے کمرہ میں داخل ہوا۔ اس وقت لوگوں کی اخلاقی حالت کے متعلق مختلف باتیں ہو رہی تھیں، وہ بھی ان باتوں میں شامل ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں داروغہ جیل رہا ہوں۔ اس لئے اخلاق کے متعلق جو واقفیت مجھے ہو سکتی ہے اَور کسی کو نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس نے بڑے بڑے قصے لوگوں کے دھوکوں اور فریبوں کے بتائے اور ساتھ ساتھ یہ کہتا چلا جائے کہ ان چالاکیوں سے ہم لوگ خوب واقف ہیں جن کا رات دن ایسے لوگوں سے تعلق رہتا ہے۔ دنیا کے اخلاق بہت بگڑ چکے ہیں، دیانت جاتی رہی ہے اور ٹھگی بڑھ گئی ہے۔ اسی وعظ کے وقت وہ اس قدر جوش میں تھا کہ یُوں معلوم ہوتا تھا کہ دُنیا کے اخلاق کی اصلاح میں یہ شخص دیوانہ ہو رہا ہے۔ انہی باتوں کے دوران میں شاید میرٹھ یا سہارنپور کا اسٹیشن آگیا۔ اور ٹکٹ چیک کرنیوالا

ہمارے کمرہ میں داخل ہُوا - ہم انٹر میں تھے جب اس نے ٹکٹ دیکھے تو اس اخلاقی واعظ کے پاس
تھرڈ کلاس کا ٹکٹ نکلا - اور جب اس نے پوچھا کہ آپ کے پاس ٹکٹ تو تھرڈ کا ہے اور بیٹھے انٹر
میں ہیں تو معًا اس کا چہرہ مجسّم سادگی بن گیا - اور یوں معلوم ہونے لگا کہ ساری عمر اس کو بھورے
میں رکھا گیا ہے اور آج پہلی دفعہ اسے سورج نظر آیا ہے عجیب سادہ صورت بنا کر کہنے لگا
بابو جی تھرڈ کیا ہوتا ہے اور انٹر کیا ہوتا ہے - بابو جی دھوکہ میں آگیا - اور اس نے سمجھا کہ شاید
پہلی دفعہ اسے سفر کا موقعہ ملا ہے اور کہنے لگا - اس ڈیوڑھا کا کرایہ ذرا زیادہ ہوتا ہے آپ
تھرڈ میں چلے جائیں مگر شاید اس نے خیال کیا کہ مَیں نے سادگی کا ڈرامہ ابھی پوری طرح نہیں
دکھایا - اور چہرہ پہ کمزوری اور اضمحلال دکھا کر اس سے مخاطب ہوا - اور کہنے لگا کہ یہ ذرا ٹرنک
اور بستر تو اٹھا کرلے چلو اور مجھے بتاؤ کہ وہ تھرڈ کیا چیز ہے - تب تو اس بابو بےچارے کی حالت
بھی رحم مجسّم بن گئی وہ باہر نکلا اور قُلی کو لایا - اُس بوڑھے کا ہاتھ اسے پکڑایا اور کہا کہ باباجی کو
آرام سے تھرڈ کے کمرہ میں بٹھا دو - اُدھر وہ بُوڑھا باہر نکلا ، اِدھر ہمارے ناناجانؓ مرحوم جو
اس وقت ہم سفر تھے اور اصل میں پہلے وہی اخلاقی وعظ کر رہے تھے بڈھے نے اپنی ہوشیاری
کی وجہ سے ایسا سماں باندھ دیا تھا کہ پچھلے نصف گھنٹہ میں ان کو ایک فقرہ کہنے کی بھی فرصت
نہ مل سکی تھی - ان کے لئے خدا تعالےٰ نے ایک دروازہ کھول دیا - وہ سارے کمرہ پر برس پڑے
اور کہنے لگے کہ دیکھو دنیا کی جو حالت مَیں بیان کرتا تھا اسے اس نے ثابت کر دیا - پہلے کس
طرح وعظ کر رہا تھا اور دنیا کا بڑا عقلمند اپنے آپ کو ظاہر کرتا تھا لیکن بابو کے آنے پر
مجسم سادگی بن گیا - یہی حالت منافق اور بدعمل لوگوں کی ہوتی ہے - جب تک ان پر گرفت نہ ہو
وہ بھیڑیئے ہوتے ہیں جو خدا تعالےٰ کے رسول کی بھیڑوں کو ایک ایک کرکے اٹھالے جانا چاہتے
ہیں - لیکن جب پکڑے جاتے ہیں تو تین چار یوم کا لیلہ بن جاتے ہیں - اور یوں معلوم ہوتا ہے
کہ ان کی بیکسی اور ناواقفیت اور سادگی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ ابھی ضرورت ہے کہ کچھ عرصہ
تک ان کا منہ کھول کر ٹونٹیوں سے دودھ ڈالا جائے - اور نادان اور سادہ لوگ ان کے اس
مظاہرہ سے جو وہ پبلک میں دکھاتے ہیں ، دھوکے میں آجاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ایسا مسکین
آدمی اوّل تو شرارت کرہی نہیں سکتا اور اگر اس نے کی ہوگی تو محض سادگی کی وجہ سے کی
ہوگی - وہ اس واقعہ کو بھول جاتے ہیں جو کہانیوں میں بچپن میں ہم سُنا کرتے تھے کہ کسی شخص
کا کوئی نوکر تھا وہ اس تلاش میں تھا کہ کسی طرح مجھے وہ جگہ معلوم ہوجائے جہاں میرے آقا اور
میری سیّدہ نے روپیہ اور زیور دفن کر رکھا ہے - کیونکہ پرانے زمانہ میں لوگ ان چیزوں کو دفن
کیا کرتے تھے - اس نے بہت کوشش کی مگر کوئی سراغ نہ ملا - ان کا ایک تین چار سال کا لڑکا

تھا۔جس کی نسبت وہ سمجھتا تھا کہ اسے معلوم ہے کہ اس کے ماں باپ کہاں خزانہ دفن کیا کرتے ہیں۔ ایک رات اس بچہ کو اجابت کی حاجت ہوئی اور اس کے باپ نے نوکر سے کہا کہ اسے باہر لے جاؤ اور پاخانہ کرا لاؤ۔ وہ اسے اُٹھا کر لے گیا اور بٹھا کر کہنے لگا کہ اگر تم نے پاخانہ پھرا تو مار مار کر کھال ادھیڑ دوں گا اور ڈنڈا لے کر کھڑا ہو گیا۔ بچہ اس دھمکی سے ایسا ڈرا کہ بیس پچیس منٹ بغیر پاخانہ پھرے بیٹھا رہا۔ پھر نوکر نے اسے اٹھایا اور کہا کہ اگر میرے اس سلوک کا تم نے اپنے باپ سے ذکر کیا تو قتل کر دوں گا۔ یہ کہہ کر واپس لے آیا۔ اور کہا کہ اسے حضور پاخانہ کوئی نہیں آیا۔ مَیں دیر تک انتظار کرتا رہا مگر اس نے نہیں پھرا۔ اور مَیں واپس لے آیا ہوں لڑکا پہلے تو ڈر کے مارے خاموش رہا لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر باپ سے کہا کہ پاخانہ آیا ہے۔ اس نے پھر نوکر کے سپرد کر دیا اور نوکر نے پھر وہی سلوک کیا اور اسی طرح اُٹھا کر لے آیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد بچہ نے باپ سے کہا کہ سخت پاخانہ آیا۔ لیکن دھمکی کی وجہ سے یہ نہ کہہ سکا کہ نوکر پھرنے نہیں دیتا۔ تیسری دفعہ پھر آقا نے اس کے سپرد کیا اور کہا کہ اب کے جا کر اسے بٹھاؤ اور اگر اب بھی نہ پھرے تو خوب مارو۔ یہی اجازت نوکر چاہتا تھا وہ اسے لے کر چل گیا اور کہا کہ بتا تیرے ماں باپ کہاں گڑھا کھودا کرتے ہیں اگر تُو نے یہ بتا دیا تو تجھے پاخانہ پھرنے دوں گا ورنہ نہیں۔ اور تیرے باپ نے تو مجھے اجازت دے ہی دی ہے اس لئے خوب ماروں گا۔ ادھر بچے کو زور سے پاخانہ آ رہا تھا، ادھر مار کی دھمکی تھی۔ اس نے ڈر کے مارے بتا دیا کہ فلاں کونے میں فلاں جگہ میرے ماں باپ گڑھا کھود کر چیزیں دفن کیا کرتے ہیں۔ اس پر اس نے اسے پاخانہ پھرنے دیا۔ اور لا کر باپ کے سپرد کر دیا۔ بچہ تو تھکا ہوا تھا آرام سے سو گیا اور نوکر کمرہ میں داخل ہو کر سب مال زیور نکال کر چلتا بنا۔

یہی کیفیت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو اپنے اندر منافقت کی رگ رکھتے ہیں جب الگ ہوتے ہیں تو اس نوکر کی طرح جلاّد بنتے ہیں اور جب دوسرے سامنے ہوں تو پوپلے منہ سے ایسی سادگی کی باتیں کرتے ہیں کہ رقیق القلب انسان کو ان کی مسکینی پر رونا آ جاتا ہے۔ پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس خوشی کے حصول کی کوشش کریں جو ذاتی قربانی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور یاد رکھیں کہ تبھی وہ اس خوشی کے مستحق ہوں گے جو ان کو آباء کی طرف سے ورثہ میں ملنے والی ہے۔ جب وہ خود بھی نیکی اور تقویٰ میں اعلیٰ مقام رکھنے والے ہوں گے۔ وہی بہادر جو میدانِ جنگ میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہے کہہ سکتا ہے کہ یاد رکھو مَیں وہ بہادر ہوں جس کا باپ بھی ایسا بہادر تھا اور جس کا دادا بھی ایسا بہادر تھا اور یقیناً اس کے اس اعلان سے رعب طاری ہوگا۔ مگر خیال تو کرو کہ ایک شخص ایک

طرف تو میدانِ جنگ سے بھاگتا چلا جائے سانس چڑھا ہوا ہو قدم لڑکھڑا رہے ہوں، چہرہ زرد ہو۔ آنکھیں باہر نکل رہی ہوں۔ ہونٹوں پر ڈر کے مارے پیپڑیاں جم رہی ہوں۔ وہ بھاگتا بھی جائے اور مڑ مڑ کر تعاقب کرنے والوں کو یہ بھی کہتا جائے کہ تم جانتے ہو کہ میں فلاں بہادر کا بیٹا ہوں۔ کیا تم سمجھتے ہو اس کی اس بات سے ان کے دلوں پر رعب طاری ہوگا یا عزت ان کے دلوں میں پیدا ہوگی۔ یا ان کے دلوں میں اور بھی غصہ پیدا ہوگا۔ اور وہ کہیں گے کہ ٹھہر تو جا۔ تو ہمارا ہی دشمن نہیں بلکہ اپنے باپ دادا کا بھی دشمن ہے جس نے اپنی ہی عزت برباد نہیں کی بلکہ اپنے باپ دادا کی بھی کی ہے۔ پس قربانی اور ایثار کا اعلیٰ نمونہ دکھاؤ اور اپنے لئے عیدالفطر حاصل کرو۔ تاکہ اس کے بعد خدا تعالیٰ کا وہ کلام پورا ہو کہ جو مومن ہونگے وہ اپنے باپ دادا میں سے جنت میں بلند مرتبہ حاصل کرنے والوں کے ساتھ رکھے جائیں گے اور تمہارا خدا تمہیں کہے کہ پہلے تم نے خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانی کر کے عیدالفطر حاصل کی تھی اور مومن بنے تھے۔ اب آؤ عیدالاضحیہ کا مزہ ہم تم کو چکھائیں۔ اور تمہیں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے قرب میں جگہ دیں۔ اور یقیناً ذاتی خوشی کے بعد یہ دوسری خوشی اتنی عظیم الشان ہوگی کہ اس کا تصور کر کے بھی دل خوشی سے گُدگُدانے لگتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ خوشی ہے جو حضرت ابراھیم علیہ السلام کو نصیب ہوئی تھی۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو نصیب ہوئی تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوئی تھی۔ جب پہلے ہم اپنے لئے ایک عید پیدا کر لیتے ہیں تو خدا تعالیٰ ہمارے لئے وہ دوسری عید پیدا کرتا ہے جو ابراہیمی عید ہے۔ محمّدی عید ہے اور احمدی عید ہے۔

پس پہلے عیدالفطر پیدا کرو۔ اور اس سے پہلے قومی کامیابی کے دن کا انتظار کرنا تمہیں ایسا ہی احمق بناتا ہے جیسے وہ احمق ہے جو عیدالاضحیہ پہلے کرنا چاہے اور عیدالفطر کا بعد میں انتظار کرے۔ تم جانتے ہو کہ ایسے شخص کے لئے نہ عیدالاضحیہ آئے گی اور نہ عیدالفطر وہ عیدالاضحیہ کو پہلے حاصل نہیں کرے گا بلکہ دونوں عیدوں سے محروم رہے گا۔ مگر جو پہلے عیدالفطر کرے گا۔ اسے عیدالاضحیہ بھی نصیب ہوگی اور وہ ایک کی جگہ دو عیدیں دیکھے گا۔ پس آؤ اور اپنے دلوں میں پختہ ارادہ کر لو۔ کہ پہلے اپنی ذاتی قربانیوں کے ساتھ تم اپنے لئے عید پیدا کرو گے تاکہ اس کے بعد تمہارا خدا آسمان سے تمہارے لئے ابراھیمی عید اتارے محمّدی عید اُتارے اور احمدی عید اتارے۔ اللّٰھم آمین۔

(الفضل ۱۷ جولائی ۱۹۵۶ء صہ ۳ تا ۶)

لہ ۔ سنن کبریٰ (کتاب الجمعۃ) جلد ۳ صفحہ ۲۲۳

ٹہ ۔ نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس مصنفہ علامہ عبد الرحمٰن الصفوری جزء اوّل صفحہ ۱۱

تہ ۔ صحیح مسلم کتاب الصیام باب تحریم صوم ایام التشریق

ٹہ ۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ عزوجل لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۔

ھہ ۔ صحیح بخاری کتاب المناقب باب قول اللہ تعالیٰ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا الیٰ آخر ۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب خیار الناس ۔

تہ ۔ محمد بن یزید الدمشقی

ٹہ ۔ کتاب تحفۃ المجالس ونزہۃ المجالس مؤلفہ علامہ جلال الدین السیوطی صفحہ ۱۹۳ تا صفحہ ۱۹۵

ٹہ ۔ الطور ۵۱ : ۲۰۲ ۔ تفسیر دُرِّ منثور $\frac{119}{6}$

ٹہ ۔ حضرت (ناناجان) میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ (۱۸۴۵ء ۔ ۱۹۲۴ء) اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی عزت اور عظمت بخشی ہے کیونکہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ صہری ابوّت کا فخر حاصل ہے آپ محکمہ انہار میں اوورسیر تھے ملازمت سے ریٹائر ہونے پر دہلی سے ہجرت کرکے مستقل طور پر قادیان میں رہائش اختیار کرلی اور آخر دم تک سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مثالی رنگ میں خدمات بجالاتے رہے ۔ آپ نہایت ہی نیک دل، صاف گو، پاکیزہ طبیعت، صوفی منش اور خدا رسیدہ بزرگ تھے ۔